تعلیم اور جدید تہذیبی چیلنج

ڈاکٹر خالد علوی ☆

تعلیم حیات انسانی کا وہ تجربہ ہے جس پر اس کے وجود اور بقاء کا انحصار ہے۔ تعلیم ہی وہ عمل ہے جو حیات انسانی کے قافلے کو رواں دواں رکھے ہوئے ہے۔ تعلیم ہی کے ذریعہ ایک نسل کے تجربات دوسری نسل تک پہنچتے ہیں اور تعلیم ہی وہ اساس ہے جس پر حیات انسانی کی عمارت قائم ہے۔ اگر غور کریں تو تعلیم ایک Process ہے جس کے ذریعہ ابلاغ علم ہوتا ہے اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو واضح ہو گا کہ اصل چیز وہ ہے جس کا ابلاغ ہو رہا ہے۔ ماہرین تعلیم نے بلاشبہ طرق ابلاغ اور مقاصد تعلیم پر دلنشیں بحثیں کی ہیں اور وہ نظام تعلیم کے سلسلے میں بے حد اہم ہیں۔ ہمارے منتظمین تعلیم نے نظام تعلیم کے استحکام، طلبہ کے نظم و ضبط، اساتذہ کی دلجمعی اور درسگاہوں کے ماحول کی سکوں بخشی پر بہت غور و خوض کیا ہے اور اس کے لیے عمدہ خیالات کا اظہار کیا ہے لیکن اس سارے نظام میں جس نقطہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے وہ علم کی نوعیت ہے علم کی وسعت نے اسے اتنی شاخوں میں تقسیم کر دیا ہے اور اس کے اتنے پہلو منکشف ہوئے ہیں کہ علم کی حقیقی نوعیت اس تفصیل میں گم ہوگئی ہے۔ علم دراصل کسی تہذیب کی اساس ہوتا ہے اور اس کی نوعیت کے تعین پر کسی تہذیب کا تعین ہوتا ہے اور تشخص قائم ہوتا ہے۔ یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم تہذیبی چیلنج پر بات کرنے سے پہلے علم کی نوعیت و حیثیت پر بات کر لیں تا کہ ہمیں چیلنج کا ادراک ہو سکے۔

علم کی نوعیت کے بارے میں اچھی بحث جس تک ہماری آسان رسائی ہے وہ علامہ اقبالؒ کا پہلا خطبہ ہے جس میں انہوں نے علم پر اسلام اور فلسفہ دونوں نقطہ ہائے نظر سے گفتگو کی ہے اس میں کانٹ اور غزالیؒ، معتزلہ اور اشاعرہ اور ابن رشدؒ وغیرہ کا تنقیدی جائزہ شامل ہے۔ اقبال علم کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''علم عبارت ہے ادراک بالحس سے جس میں ہم اپنی عقل (یعنی فکر و استدلال اور تفصیلات و جزئیات میں نظم و ترتیب) کی مدد سے اور زیادہ وسعت پیدا کر لیتے ہیں''(۱) اسلامی نقطہ نظر سے علم کا تعلق حقیقت مطلقہ کے ادراک کے علاوہ عالم محسوسات کی معرفت اور

☆ ڈائریکٹر جنرل، دعوہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

انسانی ذات کی بصیرت سے بھی ہے۔ اس روشنی میں دیکھا جائے تو اسلام کے تہذیبی تجربے میں محسوسات کو مابعد الطبیعات کے ساتھ رکھ کر دیکھا گیا۔ اقبال مسیحیت اور اسلام کے رویوں کے فرق کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''ہمارے داخل کے حیاتیاتی اور خارج کے ریاضیاتی کا نازک فرق ہے۔ جس سے مسیحیت متاثر ہوئی لیکن جس سے اسلام نے منہ نہیں موڑا کیونکہ وہ اس پر غالب آنا چاہتا ہے۔ لہٰذا یہ ایک بنیادی نسبت کو ایک خاص نقطہ نظر سے دیکھنے کا اصولی فرق ہے جس کے ماتحت ان دو عظیم الشان مذاہب نے اس مسئلے میں کہ انسان کی پیدائش جس ماحول میں ہوئی اس میں اس کا طرز عمل کیا ہونا چاہیے الگ الگ روش اختیار کی۔ دونوں کا مطالبہ ہے کہ ہم اس روحانیت کا اثبات کریں جو ہماری ذات کے اندر موجود ہے۔ اختلاف ہے تو اتنا کہ اسلام نے عینی اور واقعی یا حقیقت اور مجاز کے اتصال کا اعتراف کرتے ہوئے دنیائے مادیت کو رد نہیں کیا بلکہ لبیک کہتے ہوئے اس کی تسخیر و تصرف کا راستہ دکھلایا تا کہ ہم اپنی زندگی کا نظم و انضباط واقعیت کی اساس پر کریں۔(۲)

کسی بھی تہذیب کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے تمدنی مظاہر کی اساسیات متعین کرے کہ انہی اساسیات پر عملی نظام کا وہ سارا ڈھانچہ استوار ہوتا ہے جو فرد سے لے کر معاشرے تک اور خاندان سے لے کر ریاست تک کی ساری تفصیلات کی نمائندگی کرتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ یہ عالم جس میں ہم رہتے ہیں اس کی نوعیت کیا ہے اور ترکیب کیا؟ کیا اس کی ساخت میں کوئی دوامی عنصر موجود ہے؟ ہمیں اس سے کیا تعلق ہے اور ہمارا اس میں مقام کیا ہے؟ باعتبار اس مقام کے ہمارا طرز عمل کیا ہونا چاہیے؟ یہ سوالات ہیں جو مذہب فلسفہ اور اعلیٰ شاعری میں مشترک ہیں لیکن شاعرانہ واردات سے جو علم حاصل ہوتا ہے انفرادی ہوتا ہے یعنی اس شخص سے مختص جس پر یہ واردات طاری ہوں۔(۳)

اسلامی تہذیب کی اساس اگرچہ ایمان ہے لیکن وہ تعقل سے صرف نظر نہیں کرتی۔ اسلامی تہذیب نے محسوسات کا ادراک کیاہے اور اس کی حقیقت کو تسلیم کیا ہے لیکن اسے مابعد الطبیعات سے منسلک کیا ہے۔ انسان اور کائنات کے بارے میں اسلامی تہذیب کا اساسی نقطہ یہ ہے کہ ان دونوں کی تخلیق میں ایک مقصدیت پائی جاتی ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے انسان کا وجود بے مقصد ہے اور نہ کائنات کی تخلیق و تنظیم بے سبب۔ انسان کے بارے میں قرآن کا اعلان ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ. لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ.(۴)

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں فضول ہی پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف کبھی پلٹنا ہی نہیں ہے۔ پس بالا و برتر ہے اللہ بادشاہ حقیقی یا کوئی اس کے سوا معبود نہیں۔ مالک ہے عرش بزرگ کا۔

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی (۵)

کیا انسان خیال کرتا ہے کہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا ۔

کائنات کے بارے میں قرآن کہتا ہے۔

وَمَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَابَیۡنَهُمَا لٰعِبِیۡنَ مَا خَلَقۡنٰهُمَآ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ.(۶)

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے ان کو کھیلتے ہوئے نہیں بنایا۔ ان کو ہم نے تدبیر سے پیدا کیا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

قرآن کائنات کی وسعت اس کی تخلیق و آفرینش کے مناظر اور تغیر و تبدیل کے آثار کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہتا ہے:

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ. الَّذِیۡنَ یَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَیَتَفَكَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ. رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا. سُبۡحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ.(۷)

بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار تو نے اس کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا تو پاک ہے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچائیو۔

قرآن کے مطابق اس کائنات میں وسعت کی گنجائش ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ مَا یَشَآءُ.(۸)

وہ اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے بڑھاتا ہے۔

اگرچہ اس آیت کا تعلق فرشتوں کی تخلیق سے ہے لیکن اسے عمومی مفہوم میں کائنات کی وسعت پذیر تخلیق پر منطبق کیا جا سکتا ہے اقبال نے غالباً اسی کے پیش نظر اس آیت سے استدلال کرتے

ہوئے کہا ہے:

''یہ کوئی جامد کائنات نہیں' نہ ایک ایسا مصنوع ہے جس کی تکمیل ختم ہو چکی اور جو بے حرکت اور ناقابل تغیر تبدل ہے۔ برعکس اس کے معلوم ہوتا ہے اس کے باطن میں ایک نئی آفرینش کا خواب پوشیدہ ہے۔(۹)

اَوَلَمْ یَرَوْا کَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰہُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ. اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ. قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰہُ یُنْشِئُ النَّشْاَۃَ الْاٰخِرَۃَ. اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ(۱۰)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کس طرح خلقت پہلی بار پیدا کرتا اور پھر (کس طرح) بار بار پیدا کرتا رہتا ہے یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔ کہہ دو کہ زمین پہ چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کیا اور پھر اللہ ہی پچھلی پیدائش پیدا کرے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

دراصل کائنات کا یہ پراسرار اہتزاز اور تحریک علی ھذا زمانے کی یہ خاموش روانی جس کا احساس ہم انسانوں کو دن اور رات کی گردش میں ہوتا ہے قرآن پاک کے نزدیک ایک بہت بڑی آیت ہے اللہ کی۔(۱۱)

یُقَلِّبُ اللّٰہُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ. اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ.(۱۲)

اللہ ہی رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے۔ اہل بصارت کے لیے اس میں بڑی عبرت ہے۔

گویا اس کائنات کو اللہ نے ہمارے لیے مسخر کیا ہے ہمارا اس سے تعلق استفادہ کا بھی ہے اور اس کی معرفت سے خالق کائنات سے عبودیت کے ربط کا استحکام بھی ہے۔

اسلامی تہذیب کی ایک بنیادی قدر وحی الٰہی کی رہنمائی ہے۔ یہ وحی الٰہی جسے وحی رسالت کہا جاتا ہے یقینی علم کا ذریعہ ہے۔ چونکہ اس کا ماخذ ذات الٰہی ہے اور مہبط نبیِ معصوم ہے اسی لیے مابعد الطبیعیات کے دائرے میں اسی کا علم حتمی اور یقینی ہے اسی لیے شریعت کے نقطہ نظر سے وحی کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

هو كلام الله المنزل على نبى من انبيائه(۱۳)

یہ اللہ کا وہ کلام ہے جو اس کے انبیاء میں سے کسی نبی پر اترا۔

قرآن نے وحی کے institution کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَّالنَّبِيِّنَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰ إِبْرٰهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسٰى وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهٰرُونَ وَسُلَيْمٰنَ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُورًا(۱۴)

اے نبیؐ بے شک ہم نے آپ کے پاس ایسی ہی وحی بھیجی ہے جیسے نوحؑ اور اس کے بعد نبیوں کے پاس بھیجی ہے اور (جیسے) ابراہیمؑ اسحٰقؑ یعقوبؑ اور انبیاء بنی اسرائیل کے پاس وحی بھیجی اور عیسیٰؑ ایوبؑ، یونسؑ ہارونؑ اور سلیمانؑ کے پاس وحی بھیجی اور داؤدؑ کو ہم نے زبور دی۔

مسلم معاشرے کی تہذیبی اقدار کے تین بنیادی امتیازات ہیں:

۱۔ الٰہی ماخذ و مصدر: وحی الٰہی جس کا مظہر قرآن مجید اور رسول کریمؐ کی ذات

۲۔ مستقل اقدار: جو ناقابل تغیر ہیں۔

۳۔ ہمہ گیر اسلامی و قانونی رہنمائی

شریعت ان اقدار کے تحفظ کا ذریعہ ہے اور شریعت ہی وہ نظام ہے جو فرد کے حقوق کی محافظ اور معاشرے کے اجتماعی نظام کو تحفظ و استحکام فراہم کرنے کی ضمانت ہے۔

وحی پیغمبرانہ تجربہ ہے جو اسلام کی اساس ہے۔ اس کا اظہار قرآن مجید کی صورت میں ایک محفوظ کتاب کی حیثیت سے موجود ہے۔ قرآن شہادت دیتا ہے:

کِتٰبٌ أُحْكِمَتْ اٰيٰتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ(۱۵)

یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں اور اللہ حکیم و خبیر کی طرف سے یہ تفصیل بیان کر دی گئیں۔

وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعٰلَمِينَ. نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ. عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ. بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ. وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ(۱۶)

یہ قرآن پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے۔ اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے تمہارے دل پر تاکہ تم نصیحت کرنے والوں میں سے ہو۔ یہ فصیح عربی زبان میں ہے اور اس کی خبر پہلے انبیاء کی کتابوں میں موجود ہے۔

محفوظ کتاب

یہ کتاب محفوظ ہے۔ اس میں نزول کے وقت سے لے کر اب تک کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ وہ فرماتا ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ(۱۷)

بلاشبہ یہ (کتاب) نصیحت ہمیں نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

رسول اکرمؐ کی ذات

رسول حکم الٰہی سے لب کشا ہوتا ہے اور واجب الاتباع ہے۔

وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی(۱۸)

اور وہ نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں یہ تو حکم خدا ہے جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے۔

اسلام ایک ہمہ گیر رہنمائی

دوسری حقیقت یہ ہے کہ اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں ایک ہمہ گیر رہنمائی و ہدایت مہیا کرتا ہے۔ وہ ایک مکمل دین ہے۔ قرآن کا بیان ہے:

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا(۱۹)

آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کیا۔

مستقل اقدار

تیسری حقیقت یہ ہے کہ اسلام مستقل اقدار کا ایک تصور دیتا ہے۔ اسلامی تہذیب میں ایسی مستقل اقدار کا نظام موجود ہے جو حالات و زمانہ کے مطابق تبدیل نہیں ہوتیں بلکہ قائم رہتی ہیں۔ یہ مستقل اقدار اسلامی تہذیب کی پہچان ہیں۔ جیسے حلال و حرام، نیکی و بدی (بر و اثم) حیاء و بے شرمی پاکبازی و بدکرداری، صدق و کذب، عدل و ظلم، عفو و درگذر اور صبر و استقامت وغیرہ مثلاً حیاء ہی کو لیجئے یہ قدر صرف اسلامی تہذیب کی خصوصیت ہے۔ حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے:

لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقٌ وَ خُلُقُ الِاسْلامِ الحَیَاء[۲۰]

ہر دین کا ایک خاص خلق ہوتا ہے اور اسلام کا خاص خلق حیاء ہے۔

آپ سے منقول ہے:

الحَیَاءُ لَایَاتِیْ اِلَّابِخَیْر[۲۱]

حیاسے صرف صرف بھلائی ہے پہنچتی ہے۔

شریعت اسلامیہ نے ان اقدار کی حفاظت کی ہے اور اسلامی تہذیب ان اقدار کی وجہ سے ایک ممتاز تہذیب ہے جو اپنے الہامی تشخص کے باعث تمام دوسری تہذیبوں سے منفرد ہے۔ مسلمانوں کا نظام تعلیم ان قدروں پر مبنی ہونا چاہیے۔ اسلامی تہذیب اپنی اساسی اقدار اور تمدنی مظاہر کے لحاظ سے حیات کی وحدت کا تصور پیش کرتی ہے۔ اس میں کسی سطح پر بھی ثنویت (Dualism) قابل قبول نہیں۔ وحدت کا یہ تصور فرد سے لے کر اجتماع تک اور انسان سے لے کر کائنات تک ہر شے میں جاری و ساری ہے۔ یہ تصور اسلامی تہذیب کی جان اور اس کی پہچان ہے۔ اسے قربان کر دینا تہذیب کی قربانی دینا ہو گی۔

تہذیب جدید

تہذیب جدید مغرب کے فکری و عملی تجربے کا تسلسل ہے۔ مغربی تہذیب کے مورخ بتاتے ہیں کہ اس تہذیب کے چار عناصر ہیں۔ یونانی فلسفہ' رومی قانون و سیاست' عیسائی مذہب اور یورپین قبائل کے رسوم و رواجات (Pagan customs and rituals) یونان اور روم دونوں اپنی حقیقت میں مشرکانہ کلچر پر مبنی معاشرے تھے۔ رومی معاشرہ بنیادی طور پر ایک مادہ پرست معاشرہ تھا اور رومی سلطنت اس تصور پر مبنی تھی کہ فتوحات کے ذریعہ دوسری قوموں کا استحصال کر کے مادر وطن کی خوشحالی کا اہتمام کیا جائے۔[۲۲] زندگی کا تعیش ہی مقصود تھا اور کوئی مابعد الطبیعاتی تصور نہیں کام کر رہا تھا۔ جدید مغرب بھی معاشی اور قومی تقاضوں سے آگے کوئی تصور نہیں رکھتا۔ مغرب کا حقیقی فلسفہ حیات طاقت برائے طاقت کا حصول ہے۔ جو اس نے رومی تہذیب سے ورثے میں حاصل کیا ہے۔[۲۳]

یونانیوں کے ہاں مابعد الطبیعیات کا شعور نہ تھا۔ مغربی فکر میں افلاطون اور ارسطو کا اثر غالب ہے۔ لیکن دونوں حقیقت کبریٰ کے شعور سے محروم تھے۔ افلاطون اپنے مکاشفات میں الجھ کے رہ گیا۔ اور ارسطو عقل کلی (intellect) اور عقل جزوی (Resson) کے درمیان واضح امتیاز نہ کر سکا۔ ان کے ہاں انسانی معاشرہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ فرد کی روحانی تربیت اور اس کا نشوو ارتقاء کبھی ان

کی توجہ کا مرکز نہیں رہے تھے۔ وہ روح کی حقیقت سے بھی ناواقف تھے ان کی ساری بحثیں نفس سے متعلق تھیں۔ چونکہ ان کی توجہ کا مرکز انسان تھا اس لیے جدید مغربی تہذیب میں انسان پرستی (Humanism) کا تصور وہیں سے آیا۔ جدید تہذیب کی عقلیت پرستی کی ساری تحریکیں یونانی خمیر سے اٹھی ہیں۔

عیسائیت نے روحانیت اور مابعد الطبیعیات کے عناصر متعارف کرائے لیکن مسیحی علم کلام یونانی فلسفہ کی تاثیر سے ایک ناقابل وضاحت عقیدہ تثلیث کی الجھن کا شکار ہو گیا۔ پھر روح اور مادہ کی ثنویت کا تصور۔ اتنا پختہ ہوا کہ لادین جدید تہذیب بھی اس کے اثر سے نہیں بچ سکی۔ کلیسائی نظام چونکہ ریاست کی طرز پر استوار ہوا تھا۔ اس لیے وہ تمام خرابیاں اس میں در آئیں جو ریاست کے ادارہ میں عموماً پائی جاتی ہیں۔

یورپین قبائل کے مقامی رسم و رواج خالصتاً قومی اور توہماتی تھے جو مغرب کے معاشرتی مظاہر میں خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں کسی اعلیٰ اخلاقی قدر کی تلاش کی لاحاصل ہے۔ مظاہر فطرت کی پرستش اور شیطانی قوتوں سے توسل ان کے ہاں رائج تھا۔ موجودہ مغربی معاشرے میں بہت سی رسموں، میلوں اور تقریبات کا تعلق انہی جاہلی تصورات سے ہے۔

فکری اساس

یہ ہے وہ پس منظر جس میں مغرب کی جدید تہذیب نے نشو و نما پایا ہے۔ اس کے نشو و نما پر اور بھی کئی اثرات ہیں لیکن مغربی اخلاق اور زندگی کے بارے میں جدید تہذیبی رویہ کو رومی تہذیب میں دیکھا جا سکتا ہے۔ چونکہ رومی معاشرہ افادیت پسند اور مذہب مخالف تھا اس لیے جدید مغربی معاشرے کی اٹھان میں ان رویوں کا بڑا دخل ہے عیسائیت کی روحانیت اور (Transcendental Ethics) کی تاثیر سطحی ہے اور صرف ایک محدود طبقہ پر یہ اثر قائم رہا۔ محمد اسد کے الفاظ میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے:

> As we do not know anything definite-that is, by means of scientific experiments and calculations-about the origin of human life and its destinies after the bodily death, it is better to concentrate all our energies on the development of our material and intellectual possibilities without allowing

ourselves to be hampered by transcendental ethics and moral pastulates based on presumptions which defy scientific proof.(۲۴)

عیسائیت نے مغرب کی موجودہ سائنسی اور مادی ترقی میں بہت کم کردار ادا کیاہے بلکہ یہ ساری ترقی عیسائیت کے خلاف لڑتے جھگڑتے حاصل کی گئی۔ چونکہ عیسائیت کا زور ترک دنیا اور فطرت کے خلاف نفرت پر مبنی تھا' اس لیے مغرب کی فکری اور سائنسی کامیابیاں عیسائیت کے منفی طرز عمل کے خلاف ردعمل پر مبنی ہیں۔ مغرب کی مادیت دراصل عیسائیت کے روحانی تشدد کا انتقام ہے۔مغرب کے تہذیبی تجربے میں بعض تحریکیں اور چند واقعات بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور موجودہ تہذیب کی فکری اور تمدنی تشکیل میں ان کا بنیادی کردار ہے۔ مثلاً

نشاۃ ثانیہ Renaissance تحریک اصلاح مذہب Reformation تحریک تنویرElightemet تحریک رومانویت Romanticism اور واقعات میں انقلاب فرانس (French revolution)اور صنعتی انقلاب Industial Revoluion۔

مغرب کی تمام فکری تحریکیں' فلسفے نظریۓ سیاسی و معاشی نظام اور معاشرتی رویے انہی تجربوں کا نتیجہ ہیں۔ مغرب کی تمام گمراہیاں انہی کی پیدا کردہ ہیں۔ تحریک اصلاح مذہب نے عقل کی بالادستی کا پرچار کیا۔ ان مصلحین کا نعرہ تھا ''جو عقل کے خلاف ہے وہ خدا کے خلاف ہے'' نشاۃ ثانیہ کے نتیجے میں مشرک یونان و روم کے لادینی و مادی رجحانات سے شغف بڑھا اور 1450 سے 1700 تک اس تحریک کا غلبہ رہا۔ نشاۃ ثانیہ سے عقل پرستی کا رجحان پروان چڑھا جسے تحریک تنویر نے مستحکم کیا۔ اسی کا نعرہ تھا کہ عقل استقرائی (inductive reason) اور عقل استخراجی (deductive logic) کے ذریعہ حقیقت مطلقہ (Ontological reality) تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ حیات و کائنات کے متعلق سوالات کا جواب انہی کے ذریعہ دیا جا سکتا ہے اور وحی کی ضرورت نہیں۔ تحریک رومانویت (Romanticion) کے ذریعہ یہ ثابت کیا گیا کہ حقیقت تک رسائی کا ذریعہ وجدان (Intuition) ہے۔ اس کے مطابق حقیقت کو براہ راست دیکھا جا سکتا ہے اور اس کا ذریعہ انسانی جبلتیں' انسانی خواہشات اور احساسات ہیں عقل تو جبلتوں اور خواہشات و احساسات کی آلہ کار اور باندی ہے۔

سترھویں صدی سے بیسویں صدی تک مغرب میں جو فلسفی پیدا ہوئے انہوں نے مابعد الطبعی اساس کے انکار، عقل اور انسانی جبلتوں کی موثر حیثیت، مادیت (Malenialesm) ثنویت (Positivism) مذہب و ریاست اور مادہ و روح کی ثنویت کے استحکام پر بھرپور کام کیا۔ ڈے کارٹ (Descarts) سے لے کر Russel تک ھیگل (Hegal) سے لے کر مارکس (Marx) تک اور ڈارون (Darwin) سے لے کر فرائد (Freud) اور یونگ (Jung) تک اور نیوٹن (Newton) سے لے کر آئن سٹائن (Einstein) تک ہر ایک نے جدید تہذیب کی لادینیت اور مادیت کو مستحکم کیا۔

انقلاب فرانس نے جمہوریت کی بنیاد فراہم کی۔ اس انقلاب کے پس منظر میں وہ نظریات تھے جنہوں نے مذہبی استناد کی حیثیت کو کم کر دیا تھا۔ انفرادی تجربے کو اہمیت دی اور عقل جزوی کو فیصلہ کن مقام دیا تھا۔ عقلیت پرستی کے نمائندہ والیٹر (Voltair) نے دعویٰ کیا تھا کہ ماضی کا انسان ناقص تھا اب مستقبل کا انسان کامل بن جائے گا۔ یہ مسیحی چرچ کا دشمن تھا اور اسلام اور پیغمبر اسلام سے بھی شدید نفرت کرتا تھا۔ روسو (Rousseau) جذبات پرستی اور فطرت پرستی کا نمائندہ تھا۔ جس کا دعویٰ تھا کہ ملک کے حکمران دراصل عوام ہوتے ہیں اور ان کی رائے سب سے بالاتر ہے۔ انقلاب فرانس نے یورپ میں نئے معیارات کے لیے راہ ہموار کی۔ مذہب کی گرفت کمزور ہونی شروع ہوئی اور نئے سیاسی و معاشرتی ادارے وجود پذیر ہونے لگے۔

صنعتی انقلاب سرمایہ دارانہ نظام کے استحکام کا باعث بنا۔ انیسویں صدی سے دور استعمار مستحکم ہونا شروع ہوا۔ یورپی اقوام نوآبادیاتی ہوس کے ساتھ دنیا کے بڑے حصے پر قابض ہوگئیں اور صنعتکاروں نے جاگیرداروں کی جگہ لی اس طرح سرمایہ داری کا وہ ظالمانہ نظام غالب آنا شروع ہوا جس نے انسانیت کی روح کو کچل دیا۔ سائنسی ترقی اور ایجادات کا ایک سلسلہ شروع ہوا جو بیسویں صدی میں اپنے عروج پر تھا۔ صنعتی انقلاب نے جس سرمایہ دارانہ نظام کو مستحکم کیا اس نے مزدور بلکہ عام انسان کو بھی بے وقعت کر دیا۔ اشتراکیت نے مزدور کی حمایت کی لیکن مادی جدلیت پر مبنی مذہب و روحانیت دشمن نظام قائم کیا جو بالآخر سرمایہ درانہ مادیت میں گم ہوگیا۔ نشاۃ ثانیہ سے جس تہذیب کی اٹھان ہوئی وہ اب تک جن نظریات پر قائم ہے انہیں مختصر طور پر یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

☆ مابعد الطبیعیات کوئی شئی نہیں لہذا وحی کا تصور ناقابل قبول ہے۔

☆ مادی اور حسی حقائق ہی اصل حقائق ہیں اور حیات و کائنات کی مادی تعبیر ہی اصل تعبیر ہے۔

☆ انسان کی ذات ہی مرکز و محور ہے۔ انسان قائم بالذات ہے۔ بلکہ یوں کہیے کہ الوہیت انسان مرکزی عقیدہ ہے۔
☆ عقل اور جذبے ہی وہ ذرائع ہیں جن سے حیات و کائنات کے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔
☆ آزادی۔ بیسویں صدی کے مفکر اور Existncialism کے موثر داعی سارتر (Sartre) کے خیال میں آزادی مطلق (absolute) ہے اور انسان اپنے ماحول کا خالق ہے اس کے اندر یہ صلاحیت ہے کہ وہ جو چاہے تخلیق کرے اور یوں اس کی حیثیت ایک خالق کی ہے۔
☆ تغیر اصل حقیقت ہے کوئی شئی دائمی نہیں مستقل اقدار کا تصور بے معنی ہے۔
☆ طاقت فیصلہ کن عنصر ہے لہذا قوت کے استعمال سے ہر مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے۔
☆ مادہ اور روح کی ثنویت اور مذہب و ریاست کی دوئی مغرب کا اہم فکری و عملی تجربہ ہے۔

جدید تہذیب ایک لادینی اور کافرانہ تہذیب ہے۔ ایک مفکر کے بقول:

Modern Civilization is the most violent, ruthless and destructive of all earlier civilization s.

اسے غالب کرنے کے لیے ایک باقاعدہ منصوبہ بندی سے کام ہوا ہے۔ انیسویں صدی سے اب تک مغرب کا یک نکاتی ایجنڈا ہے اور وہ مغربی تصور حیات و کائنات (World view) کا غلبہ۔ اس کے لیے مغرب نے تعلیم' میڈیا' معاشی قوت اور عسکری طاقت کو استعمال کیا ہے۔

عملی پروگرام

مغرب کے عملی پروگرام میں سرمایہ دارانہ نظام کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام آزادی اور مسابقت کے تصور پر قائم ہوتا ہے جس سے ایک ایسی شخصیت کی تعمیر اور ایسے معاشرے کی تشکیل ہوتی ہے جو اخلاق رذیلہ پر قائم رہتا ہے جنسی بے راہ روی' حرص و حسد' طمع و لالچ' شہوت و غضب اور خود غرضی و فرعونیت سرمایہ دارانہ معاشرے کی خصوصیات ہیں۔ مغرب نے مذہبی معاشرے کی جگہ سول سوسائٹی کا تصور دیا جو فی الحقیقت سرمایہ دارانہ سوسائٹی ہے اور سرمایہ دارانہ اخلاق پر مبنی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادی قدر سرمایہ کی تخلیق اور اس میں اضافہ ہے۔ ہر فرد اس مقصد کے لیے سرگرم عمل ہے۔ مذہبی معاشرہ صلہ رحمی اور اللہ کے ہاں جواب دہی کے تصور پر مبنی ہوتا ہے جب کہ سرمایہ دارانہ معاشرہ خود غرضی اور استحصال پر استوار ہوتا ہے۔ سرمایہ دارانہ معاشرہ اغراض کی تسکین کے لیے ہوتا ہے اور ان کی تکمیل کے لیے ایک فرد دوسرے فرد سے اور ایک کمپنی دوسری کمپنی سے

معاملہ کرتی ہے جسے Contract کہتے ہیں اور اس Contract کے لیے جو موہوم جگہ متعین ہوتی ہے اسے مارکیٹ کا نام دیا جاتا ہے یہ مارکیٹ حرص و حسد یا (Cut throat competition) پر مبنی ہوتی ہے۔ اسے مذہبی اور روایاتی معاشروں کے بازار سے کوئی نسبت نہیں کیونکہ بازار میں معاملات اور معاہدے اخلاقی اصولوں اور مذہبی قوانین سے طے پاتے ہیں۔ مارکیٹ کی بنیاد استحصال پر ہے۔ مارکیٹ اکونومی (Morket Economy) اور مارکیٹ قوتیں (Market Forces) سرمایہ داروں کی اصطلاحیں ہیں جو مخصوص مقاصد حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ ابتدا میں سرمایہ داروں نے اپنی حفاظت کے لیے قومی ریاستوں کی تخلیق کی اور جمہوریت کے تصور کو پروان چڑھایا جمہوریت دراصل سرمایہ داروں کی باندی رہی ہے اور ان کے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ اور سول سوسائٹی حقیقت میں مارکیٹ سوسائٹی ہی ہوتی ہے۔ مارکیٹ ایک استعماری حربہ ہے جسے سرمایہ دار کامیابی سے استعمال کرتا ہے۔

Globalization

اب سرمایہ جغرافیائی حدود سے ماورا ہو گیا ہے۔ سرمایہ کیا ہے سرمایہ متعین کمپنیاں ہیں اور ان کی مسابقت ہے۔ سرمایہ کے اضافہ میں اس مسابقت کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ بنک اور سٹاک ایکسچینج سرمایہ کے اضافہ کا ذریعہ ہیں۔ اور انہیں تحفظ دینے کا فریضہ قومی ریاست کا ہے لیکن اب کثیر القومی کمپنیاں میدان میں ہیں اور سرمایہ کی حیثیت global ہے۔ اور اب مسابقت بھی Global ہے اور نفع و نقصان بھیGlobal لہذا تحفظ کے لیے بھی عالمی ریاست Global State کی ضرورت ہے۔ اور وہ ضرورت صرف امریکہ پوری کر سکتا ہے۔ اس لیے Globalization کے معنی امریکی ریاست کے قوانین و ضوابط کا عالمی نفاذ ہے۔ امریکہ اس وقت عالمی ساہوکاری نظام کا سب سے بڑا نمائندہ اور محافظ ہے۔ IMF ورلڈ بنک، ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن ایشین ڈویلپمنٹ بنک، اسلامک بنک اور دوسرے مالیاتی ادارے عالمی سرمایہ دارانہ نظام کو نافذ کرنے کا وسیلہ ہیں اور امریکی عسکری قوت اپنے جابرانہ تسلط کی وجہ سے اس عالمی نظام کو محفوظ کرنے کا ذریعہ ہے۔

Globalization نیا نوآبادیاتی نظام ہے۔ اس کا طریق کار اور اس کی نفسیات بھی وہی ہیں۔ نو آبادیاتی نظام کی مجرم بھی مغربی اقوام تھیں جو بہتر اسلحہ کی بنیاد پر ملکوں اور علاقوں پر چڑھ دوڑی تھیں اور گلوبلارائزیشن کے پروگرام کی قیادت اور سرپرستی بھی وہی اقوام کر رہی ہیں۔ ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کی تنظیم اور اس کے مقاصد کے حصول میں جو ممالک پیش پیش ہیں وہ وہی ہیں جنہوں

نے نوآبادیاتی نظام قائم کیا۔ عزیز چوہدری کے الفاظ میں:

The modern Transnational Corporations are the true heirs to the East India Company, the Hudson Bay Company, the New Zealand Company- major players in earlier waves of calonolization, dispossession and cammodification of people, lands and nature itself. The drive to reduce everything and every one to a commodity to be bought and sold in the market place has been a defining characteristic of the colonolisation process the World Over"(۲۵)

ماؤری (Maori) ماہر تعلیم ہیگنگاراسمتھ (Hagangaroa Smith) کا خیال ہے کہ ہر موجود کو قابل خرید و فروخت (Commoditification) قرار دینے کا موجودہ سرمایہ دارانہ تصور جو موجودہ عالمی آزاد مارکیٹ کا نظریہ ہے اسے برطانوی نوآبادکاروں نے نیوزی لینڈ میں انیسویں صدی میں مقامی لوگوں کی زمینیں حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا تھا۔ وہ کہتا ہے:

This was achieved through the individualization of Maoriland titles; i.e., to commodify or 'package up' what were collective or groupheld titles into individual holdings in order to facilitate their sales to Pakeha (British Settlers) under Pakcha rules and customs"(۲۶)

یہی طریق کار اب ایشین ڈویلپمنٹ بنک (Asian Development Bank) ورلڈ بنک (The World Bank) انٹرنیشنل انوسٹمنٹ کمیونٹی (International Investment Community) اور IMF کے ذریعہ اختیار کیا جا رہا ہے۔ بیرونی سرمایہ کاری کے نام پر لوگوں سے ان کی زمینیں اور صنعتیں عالمی ساھوکاروں اور کثیر القومی کمپنیوں کی ملکیت میں آ جائیں گی۔ اور یہ سب کچھ بجبر ہو گا۔ WTO کے اجلاس میں یورپین یونین نے شرکاء ممالک کو مجبور کیا کہ وہ اپنی مارکیٹیں بین الاقوامی کمپنیوں کے لیے کھول دیں۔

عزیز چوہدری ہی کے الفاظ میں:

Free trade is merely a euphamism for freedom from governamental restrictions for transnational corporations. Of the world tap 100 economies, based on Comparison of annual corporate sales and a nation's GDP, 51 were the Companies and 49 were countries. According to the Washington based Institute for Policy Studies the top 200; the rise of globalacorporate power (2000) by 1999 sony, Philip- Morris and at were all bigger than pakistan, just as IBM was bigger than Singapore.(۲۷)

قومی و جمہوری ریاستیں عالمی استعمار کا دست و بازو ہیں وہ سرمایہ کے اضافہ میں معاون و مددگار اور عالمی سرمایہ کی نقل و حرکت کے لیے سہولت فراہم کرنے والی ہیں اگر کہیں کسی ریاست میں مزاحمت کے آثار دکھائی دیں تو عالمی استعمار کے دست و بازو ادارے اور ایجنسیاں حرکت میں آجاتے ہیں اور اس ریاست کو سیدھا کردیتے ہیں یا مفلوج کردیتے ہیں کہ یہ ان کے اختیار میں ہوتا ہے۔ ریاستوں کا مالیاتی نظام عالمی مالیاتی نظام سے منسلک قرضوں پر مبنی اور ریاستی یقین دہانیوں سے مستحکم ہوتا ہے۔ عالمی استعمار کا تقاضا ہے کہ کوئی ریاست خود انحصاری کی پالیسی پر گامزن نہ ہو۔ پرائیویٹائزیشن کے اصول پر قائم ہو، کثیرالقومی کمپنیوں کو کھلی اجازت ہو کہ وہ کسی ریاست کے قومی اثاثے خرید سکے۔ بلکہ قومی ریاستیں بخوشی اپنے اثاثوں کی نیلامی کرتی ہیں۔ اس پر خوشی مناتی ہیں اور قوم کو خوشخبری دیتی ہیں کہ بیرونی سرمایہ کار ہماری نیازمندی پر خوش ہیں۔ بدکردار منتظمین اپنے قومی اثاثوں کی اچھی تنظیم نہیں کرسکے اور اس پر خوش ہوتے ہیں کہ بیرونی سرمایہ کار اس کا اچھا انتظام کریں گے اور نفع کما کر ملک سے باہر لے جائیں گے کیونکہ ہم نے ان کو رعایتیں دی ہیں۔

اے چشم اشک بار ذرا دیکھ تو سہی

یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

مفتوح قومیں عالمی استعمار کے سحر میں دم بخود جاں سپردگی کے لیے تیار ہیں بقول شاعر:

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف

بہ امید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

جمہوری جماعتیں استعمار کی ایجنٹ ہوتی ہیں سرمایہ کی تخلیق، اضافہ اور ترسیل میں نیاز مند انہ طریقہ پر مصروف عمل ہیں۔ عالمی استعمار کو یہی مطلوب ہے اور وہ ان سے خوش ہے۔ عالمی استعمار کے ایجنڈے کا اہم ہدف قومی ریاستوں کی بے وقاری ہے۔ Globalization کا تقاضا ہے کہ اقوام براہ راست عالمی ایجنسیوں اور عالمی اداروں کے ماتحت ہوں زیادہ سے زیادہ مقامی حکومتیں ہوں جو عالمی سرمایہ کی ایجنٹ ہوں اور عام آدمی کو اپنے دائرے میں ذاتی اغراض کی تکمیل کی راہ پر لگا سکیں۔ عام آدمی قومی تشخص اور قومی وجود سے بے نیاز ہوجائے بالآخر قومی ریاست ، قومی فوج اور قومی تحفظ کی بجائے ذاتی تحفظ اور ذاتی اغراض کی تکمیل ہی مطمح نظر ہوجائے اور یوں Globalization کے ہدف Global State کی تکمیل ہوجائے۔ Globalization عالمی سرمایہ داری اور عالمی ساہوکاری کے سوا اور کچھ نہیں۔ محکوم قوموں کی قیادتیں بے بصیرت ہیں کہ وہ عالمی میڈیا کی دی ہوئی اصطلاحوں کو بے سوچے سمجھے دہراتی ہیں اور بغیر جانے بوجھے ان پالیسیوں پر عمل پیرا رہتی ہیں جو قومی وقار کے منافی اور قومی غیرت کے خلاف ہوتی ہیں۔

اس تہذیبی غلبے میں اصل قوت سرمایہ کی ہے اور موجودہ عالمی نظام میں پوری دنیا کا سرمایہ کھینچ کر امریکہ پہنچتا ہے اور اس راہ کی ہر رکاوٹ کو دور کرنے اور اقوام اور معاشروں کو رام کرنے کے پروگرام کے دو حصے ہیں۔ ایک دھونس Coersive کا اور دوسرا فکری اور نفسیاتی طور پر مطیع کرنے کا۔

پہلے کے لیے جدید ترین اسلحہ کا استعمال ہوتا ہے اور اب امریکہ کا تازہ اصول (Preemptive doctrine) ہے۔ اور دوسرے کے لیے تعلیم اور میڈیا میں Dish, اور Cable کے علاوہ کمپیوٹر انٹرنیٹ کا ذریعہ۔ محکوم قوموں کو ترقی کے نام پر Information Technolgy کا نعرہ دیا گیا۔ یہ مغرب کے کمپیوٹر سیٹ بیچنے کا ذریعہ ہے کیونکہ ترقی پذیر ممالک میں کمپیوٹر سے متعلق صنعتیں لگانے کی اجازت نہیں Highly Sophisticated ٹیکنالوجی پر پابندی ہے۔ Global Power اسلحہ اور ٹیکنالوجی میں کسی اور ملک کو اور بالخصوص کسی مسلمان ملک کو ترقی کرنے اور خود کفیل ہونے کی اجازت نہیں دے گی کیونکہ اس کے غلبے کو چیلنج کرنے والا کوئی نہیں پیدا ہونا چاہیے۔

میڈیا

میڈیا کے ذریعہ جنسی آوارگی اور بے حیائی کو فروغ دینا اسی ایجنڈے کا حصہ ہے کیونکہ مسلمانوں کی اصل قوت ان کی اخلاقی و روحانی قدریں ہیں اگر ان کی نوجوان نسل اخلاق باختہ ہوجائے تو اسے کنٹرول کرنا آسان ہو گا۔ مسلمان عورت خاص طور پر نشانہ ہے۔ آزادی (Emencipation) اور اختیار (Empoverment) کے نام پر اسے خاندانی نظام کی تنظیم سے نکال کر، جو ایثار، قربانی، شفقت و محبت، صلہ رحمی اور بچے کے اخلاقی وجود کی حفاظت ذریعہ ہے، خود غرضی، حسد اور مسابقت کی راہ پر چلانا ہے۔ عورت کسی معاشرے کے اخلاقی وجود کی علامت ہے اگر اس معاشرے سے اس کی علامت کو چھین لیں تو اس کا اخلاقی وجود خود بخود ختم ہوجائے گا۔ اکبر الہ آبادی نے آج سے بہت پہلے کہا تھا جو شاید اب منطبق ہوتا نظر آتا ہے۔

خدا کے فضل سے دونوں میاں بیوی مہذب ہیں
حیا ان کو نہیں آتی انہیں غیرت نہیں آتی

تعلیم

تعلیم دوسرا ذریعہ ہے ۔ مغرب نے دور استعمار کے آغاز سے اسے مسلم معاشرے کے انتشار کے لیے استعمال کیا۔ تعلیمی اداروں کے قیام، نصاب تعلیم کی تشکیل اور ذریعہ تعلیم کے لیے مغربی زبانوں کا استعمال دراصل استعمار کی تقویت اور مقامی معاشرے کی شکست و ریخت کا سب سے کامیاب حربہ ثابت ہوا۔ مسلم معاشرے تقسیم ہوگئے۔ جدید تعلیم یافتہ کی شخصیت کی تعمیر استعماری ماڈل پہ ہوئی۔ اس کا نقطۂ نظر ، اس کا نصب العین، اس کی اخلاقی قدریں،اس کے معاشرتی رویے اور حیات و کائنات کا تصور (Wordview) مغرب کے مطابق قرار پایا۔ اس کی زبان ،اس کا اسلوب اظہار اس کے الفاظ و محاورات (Vocabulary)، اس کی اصطلاحات حتیٰ کہ تصورات بدیسی ہوگئے ہیں، لباس، معاشرتی آداب اور رہن سہن میں بھی مغرب کی نقالی مطلوب ہوتی ہے۔ موجودہ عالمی ایجنڈے کے مطابق زور خواندگی پر ہے یعنی اتنی تعلیم جس سے افراد عالمی ذرائع ابلاغ سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اعلیٰ تعلیم کو محدود کردیا جائے تا کہ کسی قوم میں تحقیقی و تنقیدی صلاحیتیں پروان نہ چڑھ سکیں جس کا نتیجہ ہے کہ پبلک سیکٹر کے تعلیمی ادارے وسائل کی کمی کا شکار اور سرکاری سرپرستی سے محروم ہورہے ہیں۔ پرائیویٹ سیکٹر کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے اور تعلیم کو اتنا مہنگا کیا جارہا ہے تاکہ غریب اور متوسط

طبقات کے بچے سرمایہ دارو ں اور مقتدر طبقات کی نئی نسل کا مقابلہ نہ کرسکیں۔ حاکم ہمیشہ حاکم اور محکوم ہمیشہ محکوم رہیں۔ عالمی استعمار کے لیے آسان ہوگا کہ اعلیٰ طبقات کو کنٹرو ل کرکے ان کے ذریعہ اپنے ایجنڈے کو نافذ کرے۔

تعلیم کی کمرشلائزیشن اس ایجنڈے کا اہم نقطہ ہے۔ ہمارے ملک میں مغربی مما لک کی جامعات وکلیات کے کیمپس اور مقامی اداروں کے مغربی جامعات کے ساتھ الحاق کی وبا نے اس ملک سے جتنا سرمایہ منتقل کیا ہے اس کے تصور سے ہی گھبراہٹ ہوتی ہے ۔مغربی ممالک کے سفارت خانوں نے ہمارے شوقین نوجوانوں کے ذریعے سے اتنے پیسے کمائے ہیں جتنے شاید وہ سود سے بھی نہ حاصل کرسکے ہوں۔ یہ سفارت خانے اپنے ملکوں کی جامعات کے تعارفی پروگرام کرتے ہیں اور ان سے قیمتی زرمبادلہ کماتے ہیں۔ ہمارے ارباب اختیار اپنے اداروں کو محروم الوسائل رکھتے ہیں اور اگر کہیں وہ محدود وسائل ہیں تو وہ ظاہری چمک دمک اور رنگ و روغن پر استعمال ہوتے ہیں کیونکہ منتظمین اعلیٰ تعلیم کی حقیقی قدر اوراس کی اسلامی و قومی روح سے ناشنا واقع ہوئے ہیں۔

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

عالمی استعمار تعلیم کو مکمل طور پر مغربی ماڈل پر استوار کرنے کے اصول پر کام کر رہا ہے۔ یہ ماڈل Euro Centred model ہے۔ تعلیم میں تمام حقائق' واقعات اور تجزیوں کا تعلق مغرب سے ہے۔ طلبہ جو کچھ پڑھتے ہیں ان کا تعلق طلبہ کے ماحول سے نہیں ہوتا بلکہ دور دراز مغربی ماحول سے ہوتاہے۔ آزادی اور مسابقت کی مغربی قدریں تعلیم کا اساسی نظریہ ہیں اور (Global consumer Culture) کا فروغ منتہا ومقصود ہے۔ Globalization کے ذریعہ مقامی کلچر اور روایات کی تحقیر وتضحیک کی منصوبہ بندی ہے اور اس کا سب سے بڑا ہدف مسلمان ممالک ہیں جن کی اسلامی بنیاد محکم اور اسلامی کلچر طاقتور علامتوں اور تشخصات پر مبنی ہے۔

مغربی پالیسی کے تحت تعلیم کا مقصد سرمایہ کی خدمت قرار پایا ہے ۔تعلیم کی ساری تنظیم (Job market) کے لیے ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں تعلیم یافتہ انسان ایک شے ہے جس کی قیمت لگ سکتی ہے ایک انسان Capital ہے جو مزید سرمایہ پیدا کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم کو روزگار سے منسلک کیا گیا ہے اور (Job market) میں تعلیم یافتہ فرد کی قیمت لگتی ہے۔ پھر عالمی سرمایہ داری نے بین الاقوامی مارکیٹ پیدا کی ہے۔ یوں مقامی اور عالمی مسابقت ہوگی اور مارکیٹ متعین کرے گی کہ کسی قسم کی تعلیم مطلوب ہے ۔کون سے مضامین بہتر روزگار کے ضامن ہو سکتے ہیں۔ اس طرح تعلیمی

ادارے مجبور ہوجائیں گے کہ وہی مضامین پڑھائیں جو سرمایہ درانہ نظا م میں اچھی قیمت دے سکتے ہیں۔ اس طرح تعلیم کا اخلاقی و روحانی پہلو ختم ہوگیا۔ شخصیت کی تعمیر اور معاشرتی شعور کی آبیاری غیر ضروری ہوگئی۔

عالمی سرمایہ داری نے Privitization کا اصول تعلیم کے میدان تک پھیلایا ہے ریاستوں پر دباؤد بڑھایا ہے کہ پبلک سیکٹر کے تعلیمی اخراجات کم کریں۔ ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کے ذریعہ اس مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اس نے حکومتوں کو مشورہ دیا ہے کہ سرکاری اخراجات کم کریں تاکہ سرمایہ داروں پر ٹیکس کم لگیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں ٹیکس پالیسی بنیادی انتخابی نعرہ ہے جس پر سرمایہ دارانہ جمہوری جماعتیں انتخاب لڑتی ہیں۔ سرمایہ داروں نے تعلیم کے لیے تاجرانہ ایجنڈا تیار کیا ہے۔ ڈیوہل(Dave Hill) کے بقول:

"The Capitalist class has a business plan for education and business plan in education. The former centres on socially producing labour power (people's capacity to labour) for capitalist enterprise, the latter focusses on setting business 'free'in education for profit making. Thus business wants to make profits from education, and make education fit for business - to make schooling and further and higher education subordinate to the personality, idealogical and economic requirements of capital.[۲۸]

عالمی سرمایہ داری کے ایجنڈے میں یہ بات شامل ہے کہ پرائیوٹائزیشن اور تعلیم کو مارکیٹ اکونومی کی طرز پر لانے کا بالآخر یہ نتیجہ نکلنا چاہیے کہ تعلیم پر کثیر القومی کمپنیوں اور بڑی کارپوریشنوں کا قبضہ ہو جائے۔ ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن اور دوسری گلوبل تنظیمیں یورپی دنیا میں اسی ایجنڈے پر کام کر رہی ہیں۔[۲۹] اس ایجنڈا کا اہم حصہ ریاست کو ایک کمپنی کی طرح چلانا ہے۔ جس کا مقصد نفع کمانا اور مزدور کا استحصال کرنا ہے۔ اس پالیسی کے نتیجہ میں غربت میں اضافہ ہو گا‘ تعلیم کے مواقع کم ہوں گے اور عام آدمی کے لیے تعلیم کا حصول ناممکن ہو جائے گا۔ صرف سرمایہ دار ہی تعلیم حاصل کر سکیں گے۔ اس کی ایک مثال ہمارے ملک میں سیلف فنانس سکیم کا اجرا تھا۔ اس کے برے نتائج ہمارے سامنے ہیں جب سرکاری اداروں کی گرانٹس بند ہو گی تو ان کی کارکردگی متاثر ہو گی اس کے

بعد انہیں کسی کمپنی یا کسی سرمایہ دار کے ہاتھوں بیچ دیا جائے گا۔ وہی ادارہ بڑی فیسوں پر دوبارہ منفعت بخش ہو جائے گا۔ سرکاری اداروں میں بیٹھے سرمایہ داروں کے ایجنٹ ان کے ایجنڈے کو آگے بڑھانے میں معاون ثابت ہوں گے۔

چیلنج کی نوعیت

اس چیلنج کی نوعیت ہمہ گیر ہے۔ یہ فکری ارتداد والحاد اور عملی کفر کا ایک مکمل پروگرام ہے۔ یہ شخصیت کی تخریب اور معاشرے کے انتشار کا منشور ہے۔ معاشرے میں تضادات کو مستحکم اور تفریق کو نافذ کرنے کا ذریعہ ہے۔ یہ مسلح حملے کے بغیر فتح کرنے کی تدبیر ہے۔ مفتوح اقوام کے اندر سے ہی پانچواں کالم اٹھتا ہے اورفاتح قوم کے لیے رستہ ہموار کرتا ہے۔ یہ چیلنج فکری بھی ہے اور عملی بھی انفرادی بھی اور اجتماعی بھی، معاشی بھی اور معاشرتی بھی میدان جنگ درسگاہیں اور تعلیمی ادارے اور بڑا اسلحہ تعلیمی نظام اور ذرائع ابلاغ ہیں۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ذرائع ابلاغ پر سرمایہ داروں کے ایجنٹوں کا مکمل قبضہ ہے اور اخلاق باختگی اور طوائف کلچر کے فروغ کا عالمی ایجنڈا پوری طرح نافذ ہے۔ اس ملک کا انگریزی پریس الحاد اور ارتداد کا مبلغ ہے۔ تصویریں' کالم' مضامین' کارٹون اور خبروں کی ترتیب سب کا ایک ہی مقصد ہے کہ اس ملک کو عالمی سرمایہ داری کی قدروں سے ہم آہنگ کر دیا جائے۔ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے پاکستان کو مغرب اور ہندوستان کے تصورات کے مطابق ڈھالنے کی پالیسی پر عمل ہو رہا ہے۔

ہمارا طرز عمل

جدید تہذیب اس وقت دنیا کی غالب تہذیب ہے جس نے تمام اقوام کو فتح کرلیا ہے۔ صرف مسلمان ہی ایک ایسی ملت ہیں جو ابھی تک پوری طور پر فتح نہیں ہوسکے۔ ابلیس کے بقول:

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم وضو

اس لیے عالمی استعمار کا ہدف مسلمان ہیں۔ انیسویں صدی سے اب تک مغرب اسلام سے حالت جنگ میں ہے۔ مختلف چھوٹی بڑی جنگوں میں وہ کامیاب ہوا ہے۔ اس نے ہماری زمینوں کو فتح کیا۔ ہمارا نظام زندگی بدلا، ہمارا تاریخی تسلسل توڑا۔ ہماری ریاست کا ڈھانچہ، ہماری عسکری تنظیم، ہمارا عدالتی سیٹ اپ اور ہمار اتعلیمی نظا م سب کچھ تو استعمار کا دیا ہوا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ ہماری اجتماعی خودی کونہیں توڑسکا۔ موجودہ دور کا حملہ آخری حملہ ہے اگر یہ وارہم سہ گئے تو پھر ہم انشاء اللہ فاتح ہوں گے۔ یہ انتہا پسندی، دہشت گردی اور تنگ نظری کے طعنے اور یہ لبرل اور ماڈریٹ اسلام کے مشورے جنگی پروپیگنڈے کا حصہ ہیں۔ ہمیں مناسب حکمت عملی سے اس کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ یہ جنگ دفاعی ہے۔ حملہ آور ہم سے زیادہ طاقتور ہے، زیادہ وسائل رکھتا ہے ، بہتر منصوبہ بندی کرتا ہے اور تنفیذ کے عمدہ طریقے جانتاہے۔ ہم سامنے کھڑے ہوکر للکار کرمقابلہ نہیں کرسکتے مارے جائیں گے کیونکہ ہمارے پاس میدان جنگ کا ویسا ساز و سامان نہیں۔ ہمیں دفاعی حکمت عملی ترتیب دینا ہو گی اور اسے سلیقہ مندی سے نافذ کرنا ہو گا۔ہماری حکمت عملی کے مندرجہ ذیل نکات ہوسکتے ہیں جو اگرچہ حتمی نہیں تاہم ابتدائی اقدام کے طور پر مناسب ہو سکتے ہیں۔

داخلی استحکام

ہمارا سب سے اہم کام یہ ہے کہ ہم اپنے معاشرے کے متضاد عناصر کے درمیان ہم آہنگی پیدا کریں ہمیں سب سے زیادہ خطرہ داخلی انتشار سے ہے۔ استعمار کے ایجنٹ ہمارے اپنے بھائی بند ہیں۔ ان کی وفاداریاں باہر ہیں۔ ان کی مجبوریاں ہوسکتی ہیں۔ کم فہمی یا ناواقفیت کی وجہ سے اسلامی تہذیب کی روح سے ناآشنا ہوں گے لہذا ان سے ڈائیلاگ ضروری ہے۔ افہام وتفہیم کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔ عالمی استعمار مقامی پریس اور الیکٹرانک میڈیا کو استعمال کرتا ہے بالخصوص انگریزی پریس مخالف اسلام اور عالمی استعمار کا حلیف ہے ہمیں اس سے رابطہ بڑھانا چاہیے الا یہ کہ وہ کھلی دشمنی پر اتر ائے تو پھر کوئی اور تدبیر کرنی چاہیے۔ عالمی استعمار قومی حکومتوں کو اسلام کے تہذیبی تشخص کے خلاف استعمال کرتا ہے ہمیں ریاست سے وفاداری اور حکومتوں سے افہام وتفہیم کی راہ پر چلنا ہوگا تاکہ انہیں مثبت پروگرام پر آمادہ کیا جا سکے۔ بے سبب اور قبل از وقت تصادم نقصان کا باعث بن سکتاہے اور عالمی استعمار کے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ ۔

نظام تعلیم کی یک جہتی

ہمیں نظام تعلیم کی یک جہتی پر توجہ دینی چاہیے۔ پرائیویٹ اور پبلک سیکٹر میں معیار تعلیم کے فرق کو کم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ پبلک سیکٹر میں ادارے قائم کرنے کے ساتھ پبلک سیکٹر کے اداروں کو فعال، مستحکم اور بارآور بنانے کی منصوبہ بندی کرنی چاہیے۔ منتخب نمائندوں کے ذریعہ سرکاری گرانٹس، اساتذہ کے لیے بہتر شرائط ملازمت، طلبہ کے لیے مناسب سہولتیں اور لائبریریوں اور لیبارٹریوں کے ساز و سامان کی فراہمی کا انتظام یقینی بنایا جائے۔ اس سلسلے میں دو اقدام ضروری ہیں:

الف۔ ذریعہ تعلیم

ہمیں قومی مہم کے طور پر اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے لیے سرگرم عمل ہونا چاہیے۔ سیاسی، تعلیمی اور معاشرتی دباؤ کے ذریعے اس مقصد کو حاصل کرنا چاہیے۔ بالخصوص مقابلے کے امتحان کا ذریعہ اردو ہونا چاہیے تاکہ انگریزی زبان کی بالادستی ختم ہو۔ انگریزی زبان دوسری زبان کے طور پر بہتر طریق پر پڑھائی جائے۔ لیکن پرائمری کی سطح پر انگریزی پڑھانا ہمارے منتظمین تعلیم کے ذہنی دیوالیہ پن اور قومی بے حمیتی کا منہ بولتا ثبوت ہے اسے بدلنا چاہیے۔ چونکہ ہمارا نظام تعلیم استعماری ماڈل پر استوار ہے اس لیے نوآبادیاتی نظام کی زبانیں اپنا راج قائم کیے ہوئے ہیں۔ زبان تہذیبی اقدار کی امین اور ان کے ابلاغ کا وسیلہ ہوتی ہے۔ محکوم قومیں مجبور کی جاتی ہیں کہ وہ آقاؤں کی زبان سیکھیں کیونکہ اسی کے ذریعہ ان کے اندر ثقافتی تبدیلی آئے گی۔ Globalization جو عالمی استعمار ہی کی ایک صورت ہے انگریزی زبان کے تسلط کو قائم کرنے کا فریضہ انجام دے رہی ہے اور زبان کے ذریعہ وہ نئے غلاموں کا ایک طبقہ تیار کر رہی ہے جس میں وہ تمام Skills ہوں گی جو استعمار کے استحکام میں کام آئیں گی۔ ترقی پذیر ممالک کی قیادتیں اس Global Impenialism میں ایجنٹ کا کردار ادا کر رہی ہیں۔ اس کے بدلے میں ان کے اقتدار کی حفاظت کے علاوہ چند مراعات بھی عطا کی جاتی ہیں جو ان کے یا ان کے خاندانوں کے لیے مفید ہوں۔

یکساں قومی نصاب تعلیم

ایف اے، ایف ایس سی کی سطح تک لازمی قومی نصاب تعلیم کی ترتیب و تشکیل جو تمام اداروں میں پڑھایا جائے اور کسی ادارے کو استثنا کی اجازت نہ دی جائے۔ اپنے اداروں کے سرٹیفکیٹس کی

بے وقاری اور بیرونی اداروں کے سرٹیفکیٹ کے لیے اندرون ملک تیاری بدترین ذہنی غلامی اور قومی بے غیرتی کی علامت ہے۔ نصاب تعلیم کے سلسلے میں اہم بات نصابی کتب کی تیاری ہے۔ اسلامی تہذیبی شعور رکھنے والے اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ مختلف سطح کی اعلیٰ نصابی کتب کی تیاری کو اپنا مشن سمجھیں۔ اور انگریزی زبان میں موجود کتب سے استفادہ کر کے قومی زبان میں معیاری کتب مہیا کریں۔ وہ اساتذہ جو خلاصے اور گائیڈ بکس لکھ کر محدود فوائد حاصل کرتے ہیں وہ ملی شعور کے ساتھ حقیقی کارنامے انجام دیں تو انہیں مالی فائدہ بھی ہو گا اور قوم و ملک کی خدمت بھی ہو گی۔ نصاب تعلیم کی تبدیلی اور اس کا مسلسل جائزہ ایک اچھے نظام تعلیم کی خصوصیت ہے۔ ایک گھسا پٹا نصاب جو برسہا برس سے بڑھایا جا رہا ہو کبھی نتیجہ خیز نہیں ہوتا۔ علوم میں ترقی' حالات کی تبدیلی اور ماحول کا تغیر قومی و ملی تقاضے اور گرد و پیش کے سیاسی' معاشرتی' معاشی اور سٹراتیجی موثرات کا جائزہ داخل نصاب نہ ہو تو وہ تعلیم نہیں، تعلیم ہے۔ تعلیم کو حالات و ماحول سے متعلق رہنا کتنا ضروری ہے اس کا احساس مغربی ماہرین تعلیم میں بھی شدید ہے مغرب میں نصابی تبدیلیاں آئے دن ہوتی رہتی ہیں۔ نئے نئے ڈسپلن متعارف کرائے جا رہے ہیں لیکن تیسری دنیا کے لوگ ذہنی طور پر مفتوح اور مفلوج ہونے کی وجہ سے محض نقل پر اکتفا کرتے ہیں۔ تعلیم کی دنیا میں تبدیلیوں کو اپنے ماحول کے تناظر میں دیکھنے اور اپنے قومی و ملکی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ عالمی تبدیلیوں کے پس منظر میں تعلیم کے سلسلے میں جو احساس ہے اس کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیے:

"There is great need to pay attention to the actual curriculum in schools today. In the west there has been a move towards more alternative style of education. However, most alternative schools mainly adress the mode of teaching- the style in which the curriculom is presented. This is extremely important: however, there is relatively little change in what is being taught. Many in the field of environtal education have begun to address this issue, however we must extend the analysis to all areas, including history, biology, arts and languages. We must make room in education once again for the fundamentals of life: How to get along with others, respect and trust oneself,

survive and prosper using primanily local resources, maintain cultural integrity and honour diversity(۳۰)

ہمارے ہاں جب تک نصاب کی تیاری میں اپنی ضرورتوں کے ساتھ مذکورہ عوامل کا ادراک نہیں کیا جائے گا اس وقت تک ہم تعلیم سے فوائد حاصل نہیں کر سکیں گے۔

عمرانی علوم کی تنقیدی تدریس

طبیعی علوم میں مغرب نے بے پناہ ترقی کی ہے اس سے استفادہ بے حد ضروری ہے۔ اس کا تہذیبی و کلامی اثر شاید اتنا نہیں لیکن حیاتیاتی معاشرتی اور نفسیاتی علوم کے کئی پہلو ایسے ہیں جنہیں جوں کا توں پڑھنا درست نہیں لہذا ان کا تنقیدی جائزہ ازبس ضروری ہے۔ استاد کو اسلامی تہذیبی نقطہ نظر معلوم ہونا چاہیے۔ قرآنی تعلیمات سے آگاہی کے بغیر اوراسلامی نقطہ نظر کے ادراک سے محروم ہوکران علوم کا پڑھانا نئی نسل کے قتل کے مترادف ہے۔ لیکن جہاں سب سے زیاد ہ خطرہ ہے وہ عمرانی علوم ہیں فلسفہ ، تاریخ ، علم المعاشرت ،علم الانسان ،سیاست ، معیشیت و نفسیات وغیر ہ۔ یہ تمام علوم تعبیری (Interpretive) ہیں مثلاً تاریخ عالم میں مغرب کی مرکزیت ایک مسلمہ ہے۔ مغربی اقوام کی برتری فلسفہ تاریخ کا سنگ بنیاد ہے۔ علم المعاشرت اور علم الانسان میں بھی تمام اصول و کلیات مغربی تہذیبی تجربے کی روشنی میں مرتب کئے گئے ہیں ۔تین چار صدیوں میں جو فکر پروان چڑھا ہے اس میں خدا کی کوئی حیثیت نہیں، انفرادیت پسندی، مثالیت، ثبوتیت، افادیت، وجودیت اور تاریخیت جیسے نظریات نے مغرب کے تہذیبی رویوں کو متعین کیا ہے۔ علمی تحقیق کے نام پر مخصوص تہذیبی نظریات کو فروغ دیا ہے جن کا مقصد صرف تہذیبی غلبہ ہے۔ اس لیے ناگزیر ہے کہ ہم اپنے نصاب خود مرتب کریں اور مغرب کے تہذیبی تجربے کو تنقیدی نقطۂ نظر سے پڑھائیں۔ اپنے تہذیبی ورثے کو عمدہ زبان و محاورے میں مرتب کریں۔ تاکہ ہمارا طالب علم اسلامی اور مغربی اقدار و نظریات کا تقابل کر سکے اور اپنی اقدار کا بہتر فہم حاصل کر کے ایک با اعتماد شہری کے طور پر نشو و نما پائے۔

ملی تشخص

مغربی فکر بنیادی طور پر قوم پرستی پر مبنی ہے ہمیں اس کی خرابیوں کا علمی تجزیہ کر کے اپنے ملی تشخص کو نمایاں کرنا چاہیے۔ خوش قسمتی سے اقبا ل نے اس پر خوبصورت لکھا ہے۔ اسے مختلف نصابی مضامین میں شامل کرنا چاہیے اقبا ل کو صرف اردو ادب کے حوالے سے ہی نہ پڑھا جائے کیونکہ اس

حوالے سے لوگ اکثر اوقات اس کے پیغام کی روح تک نہیں پہنچ پاتے ۔ اقبال فکر اسلامی کا پیغامبر اور مغربی فکر کا نقاد ہے۔ مسلم فلسفہ وعلم کلام، مغرب کی فلسفیانہ روایت اور قرآن و سنت کے گہرے ادراک کے بغیر اقبال کو سمجھنا مشکل ہے۔ لہٰذا اقبال کو اردو ، فارسی اور فلسفہ کے علاوہ اسلامیات، تاریخ و سیاست کے نصابات میں بھی شامل ہونا چاہیے۔

مغربی تہذیب کا تنقیدی جائزہ

مغرب میں اسلام اور اس کے مختلف پہلوؤں پر جتنا لکھا جارہا ہے یہاں اس کا عشر عشیر بھی مغرب کے بارے میں نہیں لکھا جارہا۔ مغربی تہذیب کے اتنے پہلو ہیں جو علمی تنقید کے محتاج ہیں مگر ان کی طرف توجہ کم ہے۔ ہماری جامعات میں اس موضوع کے کسی پہلو پر کوئی تحقیقی تنقیدی کام شاید ہو رہا ہو میرے علم میں نہیں ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ علامہ اقبالؒ سید مودودیؒ، سید ابوالحسن علی ندویؒ، پروفیسر اسماعیل فاروقیؒ، محمد قطب اور حسین نصر کی بحثوں کو آگے بڑھایا جائے۔ ہم صرف مغرب کے افکار کے مبلغ ہی نہ رہیں ان کے ناقد بھی ہوں۔ دیانتداری سے علمی اسلوب میں یہ ثابت کریں کہ مغربی تہذیب اپنی بعض ظاہری خوبیوں اور کامیابیوں کے باوجود روحانی طور پر انسانیت کے لیے مہلک زہر ہے۔ مغربی تہذیب کا جائزہ لیتے ہوئے اقبال چھٹے خطبے میں کہتے ہیں:

عالم انسانی کو آج تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ کائنات کی روحانی تعبیر۔ فرد کا روحانی استخلاص اور وہ بنیادی اصول جن کی نوعیت عالمگیر ہو اور جن سے انسانی معاشرے کا ارتقاء روحانی اساس پر ہوتا رہے[۳۱] یقین کیجئے یورپ سے بڑھ کر آج انسان کے اخلاقی ارتقاء میں بڑی رکاوٹ اور کوئی نہیں۔ برعکس اس کے مسلمانوں کے نزدیک ان بنیادی تصوارت کی اساس چونکہ وحی و تنزیل پر ہے جس کا صدور ہی زندگی کی انتہائی گہرائیوں سے ہوتا ہے لہٰذا وہ اپنی ظاہری خارجیت کو ایک اندرونی حقیقت میں بدل دیتی ہے۔ ہمارے لیے تو زندگی کی روحانی اساس ایمان و یقین کا معاملہ ہے جس کی خاطر ایک غیر تعلیم یافتہ مسلمان بھی برضاو راغب اپنی جان تک قربان کردے گا۔[۳۲]

یہ موضوع مستقل توجہ کا طالب ہے اور اُمید کی جاتی ہے کہ اہل فکر و دانش اسے زیر بحث لاتے رہیں گے۔ ممکن ہے کہ ابتدائی نوعیت کی یہ بحث کسی گہرے تجزیے اور نتیجہ خیز پیش کش کا باعث ہو۔

حواشی

۱۔ تشکیل جدید الہیات / ۱۹

۲۔ تشکیل جدید الہیات / ۱۵

۳۔ ایضاً / ۱

۴۔ المومنون / ۱۱۵۔۱۱۶

۵۔ القیامہ/ ۳۶

۶۔ الدخان / ۳۸۔۳۹

۷۔ آل عمران/ ۱۹۱۔۱۹۰

۸۔ فاطر / ۱

۹۔ تشکیل جدید الہیات اسلامیہ / ۱۶

۱۰۔ العنکبوت/ ۱۹۔۲۰

۱۱۔ تشکیل جدید الہیات اسلامیہ / ۱۶

۱۲۔ النور / ۴۴

۱۳۔ فتح الباری ۵/۱۷

۱۴۔ النساء/ ۱۶۳

۱۵۔ ھود/ ۱

۱۶۔ الشعراء/ ۱۹۲-۱۹۶

۱۷۔ الحجر/ ۹

۱۸۔ النجم/ ۴۔۳

۱۹۔ المائدہ / ۳

۲۰۔ موطاء کتاب حسن الخلق، باب ما جاء فی الحیاء ا/ ۹۰۴

۲۱۔ بخاری، کتاب الادب، باب الحیاء ۷/ ۱۰۰

۲۲۔ Islam at the cross Road / 41

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ Aziz Chaudhri, Rethlnking globalization /135.

۲۶۔ Ibid 136

۲۷۔ Ibid

۲۸۔ Neo-liberalism, Global capitalism and Educational change/42

۲۹۔ ایضاً

۳۰۔ Helena norberg-hodge, modern Education:Increasing knowledgeor ignorance/16

۳۱۔ تشکیل جدید الہیات / ۲۷۶

۳۲۔ ایضاً